درسِ حدیث

پروفیسر مقبول احمد صاحب قاضی

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

ما من ثلاثۃ لا یؤذنون ولا تقام فیھم الصلوٰۃ الا استحوذ علیھم الشیطان (مسند احمد)

جو کوئی تین آدمی آذان نہیں دیتے اور نہ ان میں نماز قائم ہوتی ہے، اُن پر شیطان سوار ہو جاتا ہے۔

آذان کے معنی: آذان کے لفظی معنی خبر دینا یا کسی بات کی اطلاع دینا ہے۔ مگر شرعی اصطلاح میں اذان سے مراد مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے وقت کی اطلاع دینا ہے۔

آغاز کب ہوا: اس بارہ میں آئمہ سلف کا اختلاف ہے کہ آذان کا آغاز کب ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز کی فرضیت کے ساتھ ہی اذان مشروع قرار پائی تھی۔ اس سلسلہ میں ابن حبان میں حضرت ابن عباس سے ایک حدیث بھی مروی ہے مگر چونکہ اس میں عبدالعزیز بن عمران راوی ہے جو کہ ضعیف ہے لہٰذا یہ روایت قابلِ حجت و استدلال نہیں۔ امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام احادیث جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ آذان شب اسراء مشروع ہوئی ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ اذان کی ابتداء ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جیسا کہ بخاری مسلم اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مسلمان مدینہ آئے تو نماز کے لیے باہم جمع ہوتے مگر آذان کا وجود نہ تھا۔ ایک روز انہوں نے باہم مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ ناقوس بجا کر لوگوں کو اکٹھا کر لیا جائے بعض نے کہا کہ جو طریقہ یہود نے اختیار کیا ہوا ہے اس طریقہ سے عبادت کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اُلاَ تبعثون اجلاً ینادی بالصلوٰۃ۔

کیا کسی آدمی کو نہیں مقرر کرتے کہ وہ نماز کے لیے لوگوں کو پکارے۔

اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ جا کر اذان دیں۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے ساتھ آذان مشروع نہیں ہوئی تھی بلکہ آذان کا آغاز ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا جب کہ نماز اس سے بہت قبل مکہ میں فرض ہو چکی تھی۔

اذان کا حکم:۔ اس حدیث سے اور بعض دیگر صحیح احادیث سے بعض آئمہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آذان واجب ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی کا یہی مسلک ہے اس حدیث کے علاوہ درج ذیل احادیث سے بھی اذان کے وجوب کا پتہ چلتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فاذنا ثم اقیما۔ تم دونوں آذان کہو اور اقامت پڑھو۔ (بخاری)

حضرت مالک بن حویرث کی طویل حدیث میں ہے۔

اذا حضرت الصلوٰۃ فلیوذن لکم احدکم (بخاری مسلم)

جب نماز کا وقت ہو جائے تو چاہیے کہ تم میں سے ایک شخص آذان کہے۔

بخاری اور مسلم ہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آذان کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کا حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمر بھر کا معمول بھی یہی ہے کہ آپ نے ہمیشہ اذان کے ساتھ نماز پڑھی لہٰذا آپ کے عمل اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اذان واجب ہے۔ مگر اس حکم سے عورتیں مستثنیٰ ہیں کیونکہ عورتوں پر نماز باجماعت فرض نہیں لہٰذا ان کے لیے آذان بھی فرض و واجب نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اذان سنت ہے

اذان کی فضیلت:۔ صحیح مسلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ان المؤذنین اطول الناس اعناقاً یوم القیمۃ۔

روز قیامت اذان دینے والوں کی گردنیں سب سے اونچی ہوں گی۔

اس حدیث سے آذان کی فضیلت اس طرح معلوم ہوئی کہ قیامت کے دن آذان دینے والے افراد دیگر تمام مسلمانوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آئیں گے۔ اس شرف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آذان دینے والے بآواز بلند تمام مخلوق جاندار و بے جان کو لا الٰہ الا اللہ کی صدا دیتے ہیں اور ان تک یہ پاکیزہ کلمہ توحید پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا اس عمل کے بدلے اللہ تعالےٰ روز قیامت ان کو دیگر مخلوق سے ممتاز اور نمایاں کر دے گا۔

حضرت عقبہؓ بن عامر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یعجب ربک عزوجل من راعی غنم فی شظیۃ بجبل یوذن للصلوٰۃ و یصلی فیقول الله عزوجل انظروا الی عبدی ھذا یوذن و یقیم للصلوٰۃ و یخاف منی فقد غفرت لعبدی و ادخلتہ الجنۃ (ابوداؤد، نسائی)

اللہ تعالےٰ پہاڑ کی چوٹی پر بکریوں کے چرواہے پر تعجب کرتا ہے۔ جو نماز کے لیے اذان دیتا ہے اور پھر نماز ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کی طرف دیکھو کہ وہ نماز کے لیے اذان دیتا ہے اور پھر نماز ادا کرتا ہے۔ اور مجھ سے ڈرتا ہے۔ بے شک میں نے اسے معاف کر دیا اور جنت میں داخل کر دیا۔

اس حدیث سے بھی اذان کی فضیلت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مقام پر کوئی شخص تن تنہا ہو تو اس کے لیے بھی مستحب اور مسنون بات یہ ہی ہے کہ وہ اذان دے کر نماز ادا کرے۔ یہ فعل اس شخص کی اللہ سے محبت کی نشانی ہے اور خوفِ خدا کی علامت ہے۔

اذان پر اجرت لینا:۔ حضرت عثمان بن ابی العاص فرماتے ہیں کہ آخری عہد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے لیا یہ تھا کہ:۔

ان اتخذ موذنًا لا یاخذ علی اذانہ اجرًا (مسلم۔ ابوداود۔ نسائی)

ایسا موذن رکھوں جو اذان پر اجرت نہ لے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان پر اجرت لینا درست نہیں۔ اور یہ کہ اذان دینے والوں کے جو فضائل و مناقب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں ان کے مستحق صرف وہ موذن ہیں جو اذان کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بناتے اور اسے محض رضاء الٰہی کی خاطر ادا کرتے ہیں۔ اذان پر اجرت کے مسئلہ پر ائمہ کے اقوال حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اذان اور اقامت پر اُجرت بطور شرط لینا حرام ہے۔

۲۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اذان پر اجرت لینا جائز ہے۔

۳۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں افضل یہ ہے کہ مؤذن رضاکارانہ طور پر اذان دے اور رضاکارانہ اذان دینے والے کی موجودگی میں اجرت پر اذان دینے والا رکھنا مناسب نہیں۔ امام وقت کو چاہیئے کہ وہ اپنے ذاتی مال سے اسے کچھ دے دے اور اگر کوئی رضاکارانہ اذان دینے والا نہ ملے

تو اسے خمس کے پانچویں حصہ میں سے دیدے۔

۴۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق دو اقوال مروی ہیں۔ ایک ممانعت اور ایک جواز کا ان آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے مقلدین میں سے تین آئمہ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ کے پیروکاروں کے لیے صورتِ حال کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ کیونکہ ان تینوں ائمہ سے کسی نہ کسی طور اذان پر اجرت کے جواز کا قول ملتا ہے۔ مگر اس مسئلہ میں سب سے زیادہ مشکل اور دقت کا سامنا احناف مقلدین کو کرنا پڑا ہے۔ حنفیہ کے آئمہ ثلاثہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا متفقہ فتویٰ ہے کہ:-

ان الاستیجار علی الطاعات باطل۔

طاعات پر اجرت باطل ہے۔

اس اعتبار سے تلاوتِ قرآن، تعلیم قرآن اور اذان و اقامت پر اجرت لینا آئمہ حنفیہ کے نزدیک حرام ہے۔ مگر جب حالات نے پلٹا کھایا اور بلا تنخواہ اور بلا اجرت موذنین اور معلمین قرآن کا ملنا مشکل ہو گیا تو متاخرین حنفیہ نے اپنے آئمہ کے فتویٰ اور قول سے ہٹ کر یہ فتویٰ دے دیا کہ تعلیم قرآن اذان اور اقامت پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور اس طرح انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمدؒ کے متفقہ فتویٰ کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے۔ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنا فتویٰ دیدیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ:-

بان ابا حنیفۃ واصحابہ لوکانوا فی عصرھم لقالوا بذالك ورجعوا عن قولھم الاول

(عقود رسم المفتی) از ابنِ عابدین شامی ص۱۴

اگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی ہمارے زمانہ میں ہوتے تو وہ بھی یہ ہی (جواز کا) فتویٰ دیتے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتے۔

اس طرح متاخرینِ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقلدین ائمہ کے فتویٰ کے علی الرغم اپنا نیا فتویٰ دیدیا۔ اگر علماء احناف اس عالی ظرفی اور وسیع القلبی کا مظاہرہ دیگر مسائل میں بھی کریں اور اس طرح کا فراخدلانہ رویہ اختیار کریں تو بہت سے متنازعہ اور اختلافی مسائل کا اجتماعی حل نکل سکتا ہے۔ اور امت کے لیے بہتری کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔